فصل سوم
مولانا سیدابوالحسن ندویؒ

حالات زندگی

آپ ۶ محرم ۱۳۳۳ھ بمطابق ۲۴ نومبر ۱۹۱۴ء یوپی، انڈیا میں پیدا ہوئے۔ اور ۲۳ رمضان المبارک بروز جمعۃ المبارک بمطابق ۳۱ دسمبر ۱۹۹۹ء کو اس جہان فانی سے کوچ کر گئے۔ آپ ایک ایسے معزز خانوادہ سادات میں پیدا ہوئے جو رشد و ہدایت میں اور دعوت و جہاد میں بڑا نام رکھتا تھا۔ اس کا سلسلہ نسب حضرت حسنؓ بن علیؓ بن ابی طالب کے ساتھ جاملتا ہے۔ آپ کے والد اور والدہ دونوں علم وتقویٰ کے اعلیٰ مقام پر فائز تھے۔ آپ کے والد مولانا حکیم سید عبدالحئ لکھنوی ندوۃ العلما لکھنؤ کے مہتمم اور دینی و علمی حلقوں میں ایک بلند مقام رکھتے تھے۔ آپ کی والدہ سیدہ خیر النساء انتہائی پاکباز اور نیک سیرت خاتون تھیں، حافظہ قرآن اور شاعرہ بھی تھیں۔ ۹ سال کی عمر میں آپ کے والد کا انتقال ہوگیا۔ چنانچہ آپ کی تربیت آپ کی والدہ اور ایک برادر بزرگ ڈاکٹر عبدالعلی نے کی جو دینی اور دنیاوی علوم کے جامع تھے اور دارالعلوم ندوۃ العلما کے ناظم بھی رہے۔

تعلیم کا آغاز حفظ قرآن مجید سے کیا، عربی، فارسی اور اردو میں تعلیم حاصل کرنے کے بعد ندوۃ العلماء لکھنؤ، دارالعلوم دیو بند اور مدرسہ قاسم العلوم لاہور سے دینی تعلیم حاصل کی۔ آپ نے ایک یا دو سال عربی و انگریزی کی پرائیویٹ تعلیم حاصل کرنے کے بعد اعلیٰ تعلیم حاصل کرنا شروع کی۔ لکھنؤ یونیورسٹی سے ۱۹۲۹ء میں فاضل عربی کی سند حاصل کی۔ آپ کے چند معروف اساتذہ کے نام یہ ہیں۔

شیخ خلیل عرب الیمنی، مولانا حیدر حسن خان ٹونکی، مولانا شبلی، جیراج پوری، مولانا احمد علی لاہوری، مولانا حسین احمد مدنی رحمہم اللہ۔

تدریسی و علمی خدمات

آپ ندوۃ العلماء میں عربی ادب اور تفسیر وحدیث کے علاوہ منطق اور اسلامی تاریخ کے استاد تھے۔ اس کے علاوہ ادارہ تعلیمات اسلامی لکھنؤ میں قرآن و حدیث پر خصوصی لیکچرز دیتے رہے۔ ان لیکچرز کے منقطع ہونے کا سبب مشرق وسطیٰ کا سفر اور جامعہ ملیہ دہلی منتقلی بنا۔ کچھ عرصہ ندوہ کے مہتمم بھی رہے۔ مختلف دعوتی مصروفیات اور بیرونی دوروں کے باعث سلسلہ تدریس منقطع ہوتا رہا لیکن تادمِ آخر آپ اس شعبے سے منسلک رہے۔

علمی خدمات

آپ کی علمی خدمات کا دائرہ بے حد وسیع ہے۔ امت مسلمہ کے لیے آپ نے اپنی عربی و اُردو تصانیف و تالیف کا وقیع ذخیرہ چھوڑا۔ چند مشہور کتب، مقالوں، خطبوں کے نام مندرجہ ذیل ہیں۔

ابلیس کی مجلس شوریٰ، ابوجہل کی نوحہ گری، اپنے گھر سے بیت اللہ تک، ارکان اربعہ اسلام، ایک تغیر پذیر دنیا میں،

اسلام میں عورت کا درجہ اور اس کے حقوق و فرائض، اسلامی بیداری کی لہر پر ایک نظر، اقبال اور عصری نظام تعلیم، اقبال کی شخصیت کے تخلیقی عناصر، اقبال کا نظریہ علم وفن، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کے اثرات، امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، اندلس، انسانیت کے محسن اعظمؐ، ایک لمحہ جمال الدین افغانی کے ساتھ، پا جا سراغ زندگی، پرانے چراغ، تاریخ دعوت وعزیمت، تبلیغ و دعوت کا معجزانہ اسلوب، جب ایمان کی بہار آئی، حجاز مقدس اور جزیرۃ العرب (امیدوں اور اندیشوں کے درمیان) حیات عبدالحئی، خواتین اور دین کی خدمت، خلفائے اربعہ، دریائے کابل سے دریائے یرموک تک، دومتضاد تصویریں، ذہنی و اعتقادی ارتداد، سیرت رسول اکرم صلی اللہ علیہ وسلم، شرق اوسط کی ڈائری، عالم عربی کا المیہ، عصر حاضر میں دین کی تفہیم وتشریح، یورپ، امریکہ اور اسرائیل، نئی دنیا (امریکہ) میں صاف صاف باتیں۔

آپ کے حیات و افکار اور علمی خدمات مختلف پہلوؤں کو ایک مقالے میں قلم بند کرنا ممکن نہیں ہے۔ آپ نے کم و بیش ۱۸۷ چھوٹی بڑی کتب تحریر فرمائی۔ آپ کا بیش تر ذخیرۂ علمی اردو عربی میں ہے اور کچھ کتابوں کے انگریزی میں تراجم بھی ہوئے۔

اہم ملی خدمات

☆ تجدید واحیائے دین کے لیے پوری زندگی تج دی۔

☆ دنیا کے گوشے گوشے میں دعوت وارشاد کا کام پھیلایا اور اسے منظّم کیا۔

☆ 1954ء میں 'تحریک پیغام انسانیت' کی تنظیم کے تحت تقاریر اور لٹریچر کے ذریعے ہندو مسلم بدگمانیوں اور عداوت کو دور کرنے کی کوشش کی۔

☆ ہندوستانی مسلمانوں کے لیے عائلی قوانین مرتب کر کے انہیں نافذ کرانے میں کامیابی حاصل کی۔

☆ 'عالمی رابطہ ادب اسلامی' کی تنظیم قائم کر کے خالص اسلامی ادبیات کے فروغ اور اسلامی دنیا کے مسلم ادبا کے وسیع حلقے کو مربوط کر دیا۔

☆ جامعہ آکسفورڈ میں اسلامی تہذیب کے مطالعے کا مرکز قائم کر کے اسے فعال اور نتیجہ خیز بنانے کی کوشش کی۔

☆ دارالعلوم ندوۃ العلماء کو صحیح معنوں میں اسلامی یونیورسٹی بنا دیا۔[۱]

مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش

عصری تہذیبی تحدیات سے متعلق بہت سے علمائے ملت نے بخوبی اپنا کردار ادا کیا۔ ذیل میں ہم سید ابوالحسن علی ندویؒ کی کتاب ''مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش'' سے چند اقتباسات نقل کرتے ہیں جن سے مغربی تہذیب

۱۔ یہ معلومات درج ذیل کتب سے اخذ کی گئیں ہیں:

(۱) سید ابوالحسن علیؒ ندوی کی خدمات کا مختصر تعارف، ڈاکٹر محمد جنید، مجلس نشریات اسلام، کراچی

(۲) سید ابوالحسن علیؒ ندوی، حیات و افکار کے چند پہلو، ترتیب وتدوین سفیر اختر، ادارہ تحقیقات اسلامی یونیورسٹی ۲۰۰۲ء

(۳) سید ابوالحسن علیؒ ندوی، کارواں زندگی (حصہ اول)، مجلس نشریات اسلام، کراچی

کے سیلاب کے راستے میں بند باندھنے کے سلسلے میں ان کی خدمات کھل کر سامنے آئیں گی۔ اس کتاب میں ''عالم اسلام مغربی تہذیب کی زد میں'' کا عنوان قائم کرکے مغربی تہذیب کی یلغار کا ذکر اس طرح سے کیا ہے:

انیسویں صدی کے وسط میں عالم اسلام کو ایک بہت ہی نازک، پیچیدہ اور اہم مسئلے کا سامنا کرنا پڑا۔ اس مسئلہ کے بارے میں اس کے صحیح رویہ اور نقطۂ نظر ہی پر ایک مستقبل اور آزاد دنیا کی حیثیت سے اس کی شخصیت اور وجود کا انحصار تھا۔

یہ تازہ دم زندگی اور نشاط، حوصلہ وعزم اور شرقی ووسعت کی صلاحیت سے بھرپور مغربی تہذیب کا مسئلہ تھا جس کا شمار تاریخ انسانی کی طاقت ورترین اور وسیع ترین اسباب وعوامل کا ایک قدرتی نتیجہ ہے جو عرصہ سے تاریخ میں اپنا کام کررہے ہیں اور مناسب وقت پر اس نئی شکل میں ظاہر ہونے کے منتظر تھے۔

عالم اسلام سب سے زیادہ اس خطرے کی زد میں تھا، اس لیے کہ کارگاہ حیات سے قدیم مذاہب کی کنارہ کشی کے بعد اسلام دینی واخلاقی دعوت کا تنہا علمبردار اور معاشرۂ انسانی کا واحد نگران اور محتسب رہ گیا تھا۔ بہت سے وسیع، سیر حاصل اور زرخیز ممالک اسی رقبے میں واقع تھے، چنانچہ اس مادی اور میکانکی تہذیب کے چیلنج کا رخ بہ نسبت کسی دوسری قوم اور معاشرے کے زیادہ تر عالم اسلام ہی کی طرف رہا۔[۲]

اس کے بعد آپ عصری/مغربی تہذیب کے بالمقابل تین رویوں کا ذکر کرتے ہیں:

1۔ منفی رویہ:

پہلے رویے کے ضمن میں فرماتے ہیں:

پہلا موقف یا رویہ یا سلبی ہے اس کا مطلب ہے کہ عالم اسلام اس تہذیب کے سارے نتائج اور فوائد کا یکسر انکار کردے اور اس کی کوئی اچھی بری بات سننے کا روادار نہ ہو یا غیر جانبداری اختیار کرکے کنارہ کش ہوجائے، نہ اس سے کسی قسم کا فائدہ اٹھائے، نہ ان علوم کو ہاتھ لگانے پر تیار ہو جن پر اہل مغرب کو تفوق وامتیاز حاصل ہے۔ طبیعات، ریاضیات اور ٹیکنالوجی جیسے علوم میں بھی وہ مغرب سے استفادۂ علمی کو حرام اور اپنے لیے شجرہ ممنوعہ سمجھے اور جدید آلات، مشینیں، ساز وسامان اور ضروریات زندگی کے قبول کرنے سے بھی گریز کرے۔[۳]

منفی رویے کا ذکر کرتے ہوئے انہوں نے افغانستان کے حالات کا ذکر کیا ہے اور ثابت کیا ہے کہ ترقی کے مدارج طے کرنے میں افغانستان بہت پیچھے رہ گیا ہے۔ بلکہ صنعت وحرفت اور تجارت میں بھی کوئی پیش رفت نہ ہوسکی۔

آپ لکھتے ہیں:

''ہم نے (جلال آباد میں) خط لکھنے کے لیے کاغذ اور لفافے تلاش کیے تو معلوم ہوا کہ کوئی ایسی دکان ہی نہیں جہاں قلم دوات یا پنسل بکتی ہو، ہمیں کہا گیا کہ کاغذ قصاب کی دکان پر بکتے ہیں مگر قلم دوات بیچنے

۲۔ ندوی ابوالحسن علی، مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۱۶

۳۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۱۸

والا کوئی نہیں۔''[۴]

اس کا علاج تجویز کرتے ہوئے آپ رقم طراز ہیں:

''اسلامی مشرق میں قیام امن کے لیے اور مسلمان اقوام کو اپنے عقیدہ و اسلامی زندگی قائم رکھنے کے لیے آج کوئی دوسرا راستہ نہیں ہے۔ زیادہ ٹھوس علمی تعبیر میں عالم اسلام کو دراصل ایک ایسی ترقی پذیر عادلانہ اسلامی سوسائٹی کی تشکیل کی ضرورت ہے، جس میں اسلامی طریقہ زندگی کو اپنے عملی و ثقافتی اظہار اور نمود کا پورا موقع مل سکے۔''[۵]

2۔ شکست خوردگی، مکمل سپردگی کا رویہ

دوسرے رویے کا ذکر ان الفاظ میں کرتے ہیں:

دوسرا موقف شکست خوردگی، مکمل سپردگی اور ایک عقیدت مند اور سرگرم مقلد اور ایک ایسے ہونہار و سعادت مند شاگرد کا ہے جو ابھی سن بلوغ کو نہیں پہنچا۔ اور وہ یہ ہے کہ عالم اسلام کا کوئی حصہ اس مادی، مشینی اور اپنا مخصوص مزاج و ذہن رکھنے والی تہذیب کو جوں کا توں قبول کرلے اور اس کے سارے بنیادی عقائد، فکری رجحانات، مادی افکار و خیالات اور سیاسی و اقتصادی نظام پر ایمان لے آئے (جو عالم اسلام کے ماحول سے بہت دور، نہایت مختلف حالات میں پیدا ہوئے اور ان ہی حالات میں ان کی تشکیل اور پرورش ہوئی) پھر اپنے ملک میں اس کی مکمل نقل کرنا چاہے اور اس کے لیے ہر قسم کی قربانی کرنے اور اس کے لیے بڑی سے بڑی قیمت ادا کرنے پر آمادہ ہو۔[۶]

دوسرے رویے کی عملی مثال انہوں نے ترکی اور مصر کی دی ہے اور ساتھ ہی ہندوستان کا بھی ذکر کیا ہے۔

3۔ مجتہدانہ رویہ

ابوالحسن ندوی کہتے ہیں کہ مغربی تہذیب کے چیلنج کا سامنا کرنے کے لیے سب سے درست کردار مجتہدانہ کردار ہے آپ رقم طراز ہیں:

تہذیب کا ڈھانچہ تیار کرنا اور تمدن کی تشکیل، انسانی ذہانت، کسی قوم کی عبقریت (Genius) اس کی قوت ارادی اور حوصلہ مندی اور دین کے صحیح فہم کا امتحان ہے۔ وہ مجرد نقل و تنقید یا اضافہ و ترمیم کا عمل نہیں ہے۔ اسلام نے حرام و حلال کی حدود مقرر کیں ہیں۔ ان حدود سے آگے بڑھنا اس نے ناجائز بتایا ہے اس کے درمیان پاکیزہ اور مناسب طریقۂ زندگی سے تمتع کا وسیع میدان ہے۔

اس نے مصالح کی رعایت، مفاسد اور مضرتوں سے احتیاط، مادی اور دفاعی قوت کا ممکن حد تک حصول اور مفید اور نافع علوم سے استفادہ کی ترغیب دی ہے بشرطیکہ وہ اس کی شخصیت کی بنیادوں کو کمزور اور اس

۴۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۳۱ ۵۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۵۲

۶۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص:۵۴

کی اسلامی قومیت کو مجروح نہ کرتی ہوں، نیز اس قوم میں احساس کمتری، بے اعتمادی اور دوسروں کی بے ارادہ اور جذباتی طریقے پر اندھی تقلید، ان کے رنگ میں رنگ جانے اور ان کے طرز حیات کو عزت واحترام کی نگاہ سے دیکھنے کا جذبہ اور خواہش پیدا نہ ہو۔[۷]

اسلامی تہذیب اور اس کی اساس کو آپ فولاد کی سختی اور ریشم کی نرمی سے تعبیر فرماتے ہوئے لکھتے ہیں:

''اس تہذیب کی اساس ہے جس میں ایک طرف فولاد کی سختی ہے دوسری طرف ریشم کی سی نرمی، یہ تہذیب، حقائق، نئے مسائل اور وقت کے نئے تقاضوں کے معاملے میں (بغیر مبالغہ اور خیال آرائی اور تخیل پسندی کے) ریشم کی نرمی رکھتی ہے، عقیدہ واخلاق کی سرحدوں پر وہ فولاد سے زیادہ سخت ہے اور پہاڑوں کی طرح ثابت قدم اور غیور، وہ دنیا کے علوم کے بارے میں خواہ وہ کسی دوردراز ملک اور خطے میں ہو اپنی ضمیر وعقل کی آنکھ کھلی رکھتی ہے اور سینہ کشادہ۔ نیز ان تنظیموں اور منصوبوں کو قبول کرنے کے لیے آمادہ رہتی ہے جو نہ دین کو مجروح کرتے ہیں نہ اس کے اخلاقی نظام میں کوئی تغیر پیدا کرتے ہیں۔[۸]

مغرب سے استفادہ کا حقیقی میدان اور اس کی حدود

اس ضمن میں ندوی صاحب، محمد اسد صاحب کی کتاب (Road to Mecca) کے اقتباسات پیش کرتے ہیں:

''مسلمان مغرب سے کچھ فائدہ نہیں اٹھا سکتے، بالخصوص صنعتی علوم وفنون کے میدانوں میں، اس لیے علمی افکار واسالیب کا اختیار کرنا درحقیقت تقلید نہیں خصوصاً اس امت کے لیے جس کے نبیؐ نے اس کو ہر ممکن ذریعے سے علم حاصل کرنے کا حکم دیا ہو، علم نہ مغربی ہے، نہ مشرقی، علمی انکشافات وتحقیقات ایک سلسلے کی کڑی ہیں جس کی کوئی انتہا نہیں اور جس میں تمام بنی نوع انسان برابر کے شریک ہیں۔ ہر عالم اور سائنٹسٹ، ان ہی بنیادوں پر اپنی تحقیق کی بنیاد رکھتا ہے، جو اس کے پیشواؤں نے قائم کی تھیں، خواہ وہ اس قوم سے تعلق رکھتے ہوں یا کسی اور قوم سے، اسی طرح ایک انسان سے دوسرے انسان، ایک نسل سے دوسری نسل، ایک تہذیب سے دوسری تہذیب، تعمیر و اصلاح و ترقی کا کام برابر جاری رہتا ہے۔[۹]

''ایک دور ایسا بھی آیا تھا، جب مسلمانوں کی تہذیب وتمدن یورپ کی تہذیب وتمدن سے زیادہ شان دار تھی، اس نے یورپ کو بہت سی انقلابی قسم کی صنعتی وفنی ایجادات عطا کیں۔ اس سے بڑھ کر یہ کہ اس نے یورپ کو اس عملی طریقے کے اصول و مبادی دیے جس پر علمِ جدید اور تہذیبِ جدید کی بنیاد ہے،

۷۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص ۲۹۱

۸۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۹۱، ۲۹۲

۹۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۹۳

لیکن اس کے باوجود جابر بن حیان کا کیمسٹری کا علم عربی نہیں کہلاتا، اسی طرح الجبرا اور علم مثلثات کو اسلامی علوم نہیں کہا گیا، حالانکہ اول الذکر کا موجد خوارزمی ہے اور مؤخرالذکر کا تبانی اور یہ دونوں ہی مسلمان تھے۔ ٹھیک اسی طرح کے نظریہ کشش کو کوئی انگریزی علم نہیں کہہ سکتا اگر چہ اس کا موجد انگریز تھا۔ یہ بڑے بڑے علمی کام نوع انسانی کی مشترک میراث ہیں۔

اسی طرح اگر مسلمان صنعتی علوم وفنون کے لیے ذرائع اپناتے ہیں تو وہ صرف ارتقا و ترقی کی فطری زندگی کی اشکال (Forms) آداب و عادات (Manners) اور مغرب کے اجتماعی تصورات کو اپناتے ہیں تو اس سے ان کو ذرہ برابر بھی فائدہ نہ ہوگا۔ اس لیے کہ یورپ ان کو اس میدان میں جو دے سکے گا وہ اس سے بہتر نہیں ہوگا جو خود ان کی ثقافت اور ان کے دین نے ان کو عطا کیا ہے۔

اگر مسلمان جرأت کریں اور حوصلے سے کام لیں اور ترقی کو ایک ذریعہ اور وسیلہ کی حیثیت سے اپنائیں تو وہ اس طرح نہ صرف اپنی باطنی حریت کی حفاظت کرسکیں گے بلکہ شاید یورپ کے انسان کو زندگی کے گم شدہ لطف کا راز بھی بتا سکیں گے۔[۱۰]

ندوی صاحب عالم اسلام اور مغرب کا تجزیہ کرتے ہوئے کچھ تجاویز اور مشورے فراہم کرتے ہیں جو اسلامی تہذیب کے احیا میں معاون و مددگار ہیں۔ فرماتے ہیں:

مغرب کے ناقابل انکار علمی و صنعتی تفوق کو سامنے رکھ کر جس سے آنکھیں بند کرلینا نہ عقل کا تقاضا ہے، نہ مذہب کی تعلیم اور نہ عملاً ممکن، عالم اسلام کے صرف دو راستے رہ جاتے ہیں، ایک تو یہ کہ اس سے مسحور ہو کر اس کے پورے فلسفہ زندگی، اس کے تصور کائنات، اس کے مابعد الطبیعاتی عقائد و تصورات، اسی کے عمرانی و اجتماعی نظریات، اس کے اخلاقی نقطۂ نظر، اور اس کے مسلک زندگی کو جوں کا توں قبول کرلیا جائے، اور اپنی ہستی کو اس کے سانچے میں یکسر ڈھال دینے کی کوشش کی جائے۔ اس حقیقت سے قطع نظر یہ ایک مکمل اور ہمہ گیر ارتداد اور روحانی و ذہنی خودکشی کے مترادف ہوگا، اور اس انسانیت کے ساتھ غداری اور بے وفائی جس کی آخری آس نبی خاتم کی اس امت سے لگی ہوئی تھی، یہ ایک ایسی غیرضروری محنت اور سعی لاحاصل ہے، جس کا نتیجہ طویل وخون ریز ذہنی کشمکش، روحانی بے چینی، انسانی طاقتوں کے ضیاع اور اضاعت وقت کے سوا کچھ نہیں، یہ ایک ایسی بنی بنائی مستحکم عمارت کی تخریب ہے جس کے ملبے پر دوسری عمارت تعمیر کرنے کے لیے نہ مواد خام موجود ہے، نہ تعمیر صلاحیتیں، نہ آب و ہوا اور ماحول سے مناسبت، نہ ماضی سے ارتباط، عالم اسلام کے جن جن گوشوں، اور جن اسلامی ملکوں میں یہ کوشش کی گئی، ناکام رہی۔ اور جب بھی اس مصنوعی اور غیرطبعی اقتدار کی گرفت ڈھیلی ہوئی اور عوام کو اپنی پسند اور ناپسند کے اظہار کا موقع ملا، انہوں نے فوراً اس جھول کو اتار پھینکا، جو نہ ان کے جسم پر قطع ہوئی تھی اور نہ ان کے مزاج کے مطابق تھی، آج ترکی میں یہی نظر آ رہا ہے اور مصر و شام میں بھی

۱۰۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۲۹۳، ۲۹۴

عنقریب یہی پیش آنے والا ہے۔

دوسرا راستہ یہ ہے کہ مغرب سے علم وصنعت، ٹیکنالوجی اور سائنس اور ان علوم وتحقیقات میں جن کا تعلق، تجربہ، حقائق و واقعات اور انسانی محنت و کاوش سے ہے، فراخ دلی کے ساتھ استفادہ کیا جائے، پھر ان کو ان مقاصد کے لیے اپنی خداداد ذہانت اور اجتہاد کے ساتھ ان اعلیٰ مقاصد کا تابع اور خادم بنایا جائے جو آخری نبوت اور آخری صحیفہ نے ان کو عطا کیے اور جن کی وجہ سے ان کو خیرِ اُمت اور آخری اُمت کا لقب ملا ہے۔ وسائل اور مقاصد کا یہ خوشگوار امتزاج جس سے سردست مغرب بھی محروم ہے اور مشرق بھی، کہ مغرب تنہا قاہر اور وسائل کا سرمایہ دار ہے اور صالح مقاصد میں محض تہی دامن، اور مشرق (اسلامی) صالح مقاصد کا واحد اجارہ دار ہے اور موثر وسائل سے یکسر محروم۔ مغرب سب کچھ کرسکتا ہے لیکن کرنا نہیں چاہتا، اور صحیح الفاظ میں کرنا نہیں جانتا، اسلامی مشرق کرنا سب کچھ جانتا ہے لیکن کرنہیں سکتا، یہ صحت مند و صالح امتزاج دنیا کی قسمت سے بدل سکتا ہے اور اس کو خودکشی و خودسوزی کے راستے سے ہٹا کر فلاح دارین اور سعادت ابدی کے راستے پر ڈال سکتا ہے۔ یہ ایسا کارنامہ ہوگا جو تاریخ کے دھارے اور دنیا کی قسمت کو بدل کر رکھ دے گا۔[۱۱]

امت مسلمہ کے مستقبل کے بارے میں چند تجاویز

اپنی ایک تقریر میں امت مسلمہ کے مستقبل اور اس کے تحفظ وفروغ کے لیے علامہ ابوالحسن ندویؒ چند تجاویز پیش کرتے ہیں جو درج ذیل ہیں:

1۔ امت کے مختلف طبقوں میں یہاں تک کہ دیندار اور تعلیم یافتہ طبقے میں بھی ضرورت اس بات کی ہے کہ صحیح دینی و سماجی اور سیاسی شعور کو پیدا کیا جائے، نیک و بد کو سمجھنے کی صلاحیت کو تقویت پہنچائی جائے، نئے مسائل پر غور کرنے، ان کی گہرائیوں تک اترنے اور ان کے نتائج وعواقب کا صحیح اندازہ لگانے کی قوت میں جلا پیدا کرنے کی کوشش کی جائے اور ان کو صفائی اور صراحت کے ساتھ بتلایا جائے کہ عقائد و افکار کے اصل اور صحیح ماخذ کون سے ہیں اور قوت ونشاط کے حقیقی سرچشمے کہاں ہیں۔[۱۲]

2۔ اس امت میں عرصہ دراز سے ایسی طاقت وراور جرأت مندانہ قیادت کا فقدان ہے جس کے اندر جہاد کی روح کارفرما ہو، جسے اپنے عقیدہ پر فخر ہو، دنیا کی رہنمائی کے منصب اور اس کی ذمہ داریوں کا شعور ہو، اور بڑی حد تک مغربی یا مشرقی بڑی طاقتوں کے سہارے سے بے نیاز ہو۔ یہ بڑی طاقتیں ہی اسلامی کوششوں اور وسیع تر حلقہ اثر رکھنے والی اسلامی تحریکوں کو ناکام بنانے اور اسلامی ممالک کو ایسی عظیم، موثر اور قوی شخصیتوں سے، جن پر اپنی فکر غالب ہو، جو اپنے ملک میں شریعت اسلامی کا نفاذ چاہتی ہوں، جو اسلام کی عظمت اور مسلمانوں کی قوت وشوکت کے عزائم رکھتی ہوں، محروم کرنے کی ہر طرح کی سازشیں کرتی رہتی ہوں، یہی وجہ ہے کہ پورا عالم اسلام ماضی

۱۱۔ مسلم ممالک میں اسلامیت اور مغربیت کی کشمکش، ص: ۳۱۰-۳۱۲ ۱۲۔ ایضاً

قریب میں بہترین رہنماؤں سے محروم ہوتا جا رہا ہے۔[۱۳]

لہٰذا ضرورت اس بات کی ہے کہ ایسی قیادت کو سامنے لانے پر توجہ دی جائے جو طاقت ور ہو، جرأت مند ہو، صاحب ایمان ہو اور ہوش مند ہو، اللہ نے ان کے ملک کو جو طاقت و ثروت عطا فرمائی ہے، ان پر اعتماد رکھے، ان میں اضافے کی کوشش کرے، ٹیکنالوجی، صنعتوں اور فوجی قوت پر توجہ دے، ممکن حد تک غیروں سے بے نیاز ہو، ایمانی قوت، قومی مصالحت کے اخلاص اور ایمان و عقیدے کے دفاع کے لیے قربانی کے جذبے پر اعتماد کرتے ہوئے اسلامی مصالح اور صحیح و مخلص قیادت کے خلاف کسی بھی سازش کے مقابلے میں، اسلامی مسائل و ممالک میں کسی بھی دخل اندازی کے سامنے جم کر کھڑی ہو جائے۔[۱۴]

3۔ اسلامی ممالک میں مثبت، فعال و متحرک اور طاقت ور دینی تحریک کے قیام و استحکام پر توجہ دینا بھی ضروری ہے اور اگر کوئی ایسی تحریک موجود ہو تو اس سے خطرہ محسوس کرنے یا اس کو ختم یا کمزور کرنے کی کوشش کی بجائے، اس کی قدر و ہمت افزائی کرنی چاہیے۔ اسلامی معاشرے کی تشکیل و تکمیل اور اس کے استحکام و بقا کے لیے ایسی اسلامی دعوتی تحریک بڑی مفید ثابت ہو سکتی ہے جو مردانگی، جرأت و بلند ہمتی اور پیش بینی، کی صفات سے متصف ہو، جو ایسی طاقتوں اور قیادتوں کا مقابلہ کرنے کی طاقت و صلاحیت رکھتی ہو، جنہوں نے بلا کسی استحقاق و جواز کے نوع انسانی کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لے رکھی ہے اور جو اسلامی و غیر اسلامی ممالک و اقوام کی قسمتوں کی مالک بن بیٹھی ہیں۔[۱۵]

4۔ ممکن حد تک ناز و نعمت اور عیش و عشرت کی زندگی سے دور رہنا چاہیے، ترقی و تمدن کے مظاہر میں مبالغہ، بے ضرورت کے اخراجات، لذت و شہوت اور شان و شوکت کے اظہار کے لیے اللہ کی نعمتوں کی ناقدری کوئی پسندیدہ بات نہیں، ایسے اعمال اخلاق سے پرہیز لازم ہے جو اللہ اور اس کے رسولؐ کو پسند نہ ہوں اور تائید و نصرت الٰہی سے مانع بن سکتے ہوں۔[۱۶]

5۔ اس مرحلے پر اس امر کی بھی ضرورت واضح ہو کر سامنے آ جاتی ہے کہ عرب اور اسلامی حکومتوں اور قوموں کی اپنی ایک مؤثر اور فعال تنظیم ہونی چاہیے جو اسلامی ممالک ..... اور ان میں عرب ممالک سرفہرست ہیں، کی بین الاقوامی سیاسی اور دفاعی ضرورتوں کی دیکھا دیکھی میں اقوام متحدہ (United Nations) کی جگہ لے سکے، آزادی اور عزت و وقار کے تحفظ میں ان کی ہمت افزائی کرے، اگر کوئی بڑا ملک کسی چھوٹے ملک پر حملہ آور ہو تو اس کی مدافعت کا فریضہ سرانجام دے۔ اس طرح کے معاملات میں اقوام متحدہ یا کسی بڑی طاقت کی جگہ اس کی طرف رجوع کیا جا سکے، اور اس سے مدد لی جا سکے، ایسی کسی تنظیم کو اتنا احترام و وقار اور اتنی طاقت حاصل ہونی چاہیے کہ وہ کسی بھی اسلامی ملک پر جارحیت کا مناسب جواب دے سکے، اور انانیت پسند استبدادی قیادتیں اور دنیا کی بڑی طاقتیں اسے نظر انداز نہ کر سکیں۔[۱۷]

۱۳۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، ص: ۱۷

۱۴۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، ص: ۱۸

۱۵۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، ص: ۱۸

۱۶۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، ص: ۲۱

۱۷۔ امت اسلامیہ کا مستقبل خلیجی جنگ کے بعد، ص: ۲۳

انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر

قوموں کا عروج و زوال تاریخ کا حصہ ہے کبھی ایک تہذیب اور قوم دنیا کی قیادت کررہی ہوتی ہے اور کبھی دوسری۔ لیکن اس قیادت کے زیر اثر دنیا بہت سے تہذیبی چیلنجز سے دوچار ہوتی ہے۔ اگر اقتدار کے منصب پر فائز قوت خیر کی ہو تو کل عالم کے لیے باعث خیر ثابت ہوتی ہے۔ اور اگر یہ قوت شر کی ہو تو اس کے شر سے کوئی محفوظ نہیں رہ سکتا۔ مسلمانوں نے ایک طویل عرصہ دنیا کی زمام کار سنبھالی اور دنیا اسلام کی برکات سے مستفید ہوتی رہی۔

مولانا ابوالحسن علی ندویؒ نے اپنی کتاب 'انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج و زوال کا اثر' میں اسی نقطۂ نظر سے تاریخ کا جائزہ لیا ہے۔ آپ خود لکھتے ہیں:

اس کتاب میں ''عام انسانی تاریخ نیز اسلامی تاریخ کا اجمالی جائزہ لیا گیا اور دکھایا گیا ہے کہ محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی بعثت کس جاہلی ماحول میں ہوئی۔ انسانیت کس پستی کو پہنچ چکی تھی۔ آپ کی دعوت اور تربیت نے کس طرح کی امت تیار کی۔ اس امت کے عقائد واخلاق اور سیرت وتربیت کیا تھی۔ اس نے کس طرح دنیا کی زمام قیادت اپنے ہاتھ میں لی۔ اس کے اقتدار وامامت کا دنیا کی تہذیب اور زندگی اور لوگوں کے رجحانات اور کردار پر کیا اثر پڑا۔

کس طرح دنیا کا رخ ہمہ گیر خدا فراموشی اور مجموعی جاہلیت سے ہمہ گیر خدا پرستی اور اسلام کی طرف تبدیل ہوا۔ پھر کس طرح اس امت میں انحطاط اور زوال کا آغاز ہوا۔ اور اس کو دنیا کی امامت اور قیادت سے علیحدہ ہونا پڑا۔ اور کس طرح یہ قیادت کمزور اور غافل خدا شناسوں کے ہاتھ سے نکل کر طاقت ور نا خدا شناس اور مادہ پرست یورپ کی طرف منتقل ہوئی اور خود یورپ میں مادہ پرستی اور مذہب بیزاری کا کس طرح ظہور اور ارتقا ہوا۔ مغربی تہذیب کا اصل مزاج کیا ہے اور اس کا خیر کن عناصر اور اجزا سے تیار ہوا ہے۔ یورپی اقتدار اور اس کی قیادت نے دنیا پر کیا اثر ڈالا اور زندگی پر کیا اثر ڈال کر متاثر کیا۔ دنیا کا رخ کیا ہے اور مسلمانوں کی کیا ذمہ داری ہے۔ اور وہ اس ذمہ داری سے کس طرح عہدہ برآ ہوسکتے ہیں۔[۱۸]

زمانہ جاہلیت کے سیاسی و معاشی نظام کا جائزہ لیتے ہوئے آپ روم اور ایران کے حالات کو نقل کرتے ہیں اور ان کی تہذیب کے تحت پنپنے والی مصنوعی معاشرت اور پرعشرت زندگی کی مثالیں پیش کرتے ہیں۔

> ''طبری کی روایت ہے عربوں کی مدائن کی فتح میں ترکی خیمے ملے جو سربمہر ٹوکروں سے بھرے تھے۔ عرب کہتے ہیں ہم سمجھے، اس میں کچھ کھانے کا سامان ہوگا۔ کھولنے سے معلوم ہوا کہ سونے، چاندی کے برتن ہیں۔ مورخین نے فرش بہارکی (جس پر بیٹھ کر امرائے ایران موسم خزاں میں شراب پیتے تھے)۔''
>
> اس کی تفصیل بیان کرتے ہوئے لکھا ہے:
>
> ''یہ ساٹھ گز مربع تھا۔ تقریباً ایک ایکڑ زمین کو گھیر لیتا۔ اس کی زمین سونے کی تھی۔ جس میں جا بجا جواہرات اور موتیوں کی گل کاری تھی۔ چمن تھے، جن میں پھول دار اور پھل دار درخت قائم تھے۔

۱۸۔ ندوی، ابوالحسن علی، انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص:۱۵

درختوں کی لکڑی سونے کی، پتے حریر کے، کلیاں سونے، چاندنی کی، پھل جواہرات کے بنائے گئے تھے۔ گرد ہیرے کی جدول تھی۔ درمیان میں روشیں اور نہریں بنائی گئیں۔ یہ سب جواہرات کی تھیں۔ موسم خزاں میں تاجدارانِ آل سامان اس گلشن بے خزاں میں بیٹھ کر شراب پیا کرتے تھے اور دولت کا ایک حیرت انگیز کرشمہ نظر آتا جو زمانے نے کبھی اور کہیں نہیں دیکھا۔[۱۹]

''والیانِ ریاست شہزادے، امرا، اونچے گھرانوں کے افراد نیز متوسط طبقے کے لوگ بادشاہوں کے نقش قدم پر چلنے اور کھانے پینے، پوشاک اور طرز رہائش میں ان کی نقل کرنے کی کوشش کرتے اور ان کی عادات و اطوار اختیار کرتے۔''

معیار زندگی بہت ہی زیادہ بلند ہوگیا تھا۔ اور معاشرت بہت زیادہ پیچیدہ بن گئی تھی۔ ایک ایک شخص اپنی ذات پر اور اپنے لباس کے کسی ایک حصے پر اس قدر خرچ کرتا تھا۔ جس سے پوری ایک بستی کی پرورش ہوسکے۔ یا جو پورے ایک گاؤں یا آبادی کی پوشاک اور ستر پوشی کے مصارف کے لیے کافی ہو۔ ایسا کرنا ہر ایک ممتاز اور شریف آدمی کے لیے ناگزیر تھا۔ کیونکہ اگر وہ ایسا نہ کرتا تو سوسائٹی میں انگشت نمائی ہوتی اور وہ اپنے ہم چشموں میں ذلیل ہوتا۔

یہاں تک کہ یہ بھی زندگی کی ایک ضرورت اور سوسائٹی کا ایک قانون بن گیا۔ جس میں تبدیلی نہیں ہوسکتی۔ شعبی کہتے ہیں کہ اہل ایران جو اپنے سروں پر کلاہ رکھتے تھے وہ ان کی اس حیثیت کے مطابق ہوتی تھی جو ان کو اپنے قبیلے میں حاصل تھی۔ چنانچہ جو اپنے قبیلے میں شرافت اور عزت کے لحاظ سے معیاری ہوتا تھا۔ اس کا کلاہ ایک لاکھ کی قیمت کا ہوتا تھا۔

ہرمز کا شمار انیس افراد میں سے تھا۔ جن کی سیادت تسلیم شدہ تھی۔ لہٰذا اس کا کلاہ ایک لاکھ کا تھا۔ جس میں جواہرات جڑے ہوئے تھے۔ شرافت و وجاہت کا معیار یہ تھا کہ وہ ایران کے اونچے گھرانوں میں سے کسی ایک خاندان کا فرد ہو۔ ازادیہ (زادویہ) شہر حیرہ کا کسریٰ کے عہد میں حاکم تھا۔ وہ سیادت میں دوسرے نمبر کا سمجھا جاتا تھا اس لیے اس کی ٹوپی کی قیمت 50 ہزار تھی۔ رستم کا کلاہ 70 ہزار میں فروخت ہوا اور اس کی قیمت ایک لاکھ تھی۔[۲۰]

''لوگ اس کے انتہا پسندانہ معاشرت اور اس کے لوازم وضروریات کے اس طرح عادی ہوگئے تھے۔ اور یہ تمدن ان کے رگ و پے میں اس طرح سرایت کرگیا تھا کہ یہ تکلفات ان کی طبیعت ثانیہ بن گئے اور ان سے علیحدہ ہونا ان کے لیے ناممکن سا ہوگیا تھا۔ نازک سے نازک وقت میں اور مجبوری کی حالت میں بھی سادہ زندگی اور نیچی سطح پر اتر آنا، ان کے لیے دشوار تھا۔

مدائن کی فتح کے وقت ایران یزدگرد جس بے سروسامانی اور پریشانی میں دارالسلطنت چھوڑ کر بھاگا ہے اس کا اندازہ لگانا مشکل نہیں۔ مگر اس عجلت و پریشانی میں بھی وہ اپنے ساتھ جو سامان لے گیا ہے اس سے اس ذہنیت اور معیار تمدن کا اندازہ ہوسکتا ہے۔

''ایران بعید ساسانیاں'' کا مصنف لکھتا ہے:

''یزدگرد اپنے ہمراہ ایک ہزار باورچی، ایک ہزار گویے اور ایک ہزار خیموں کے محافظ، اور بہت سے

۱۹۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۸۸، ۸۹

۲۰۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۹۰، ۹۱

دوسرے لوگ لیتا گیا۔ یہ تعداد اس کے نزدیک ابھی کم تھی''۲۱

ان واقعات سے بخوبی اندازہ ہوتا ہے کہ اس تہذیب اور معاشرت نے بے پناہ تکلفات اور تعیّشات کو ان کی زندگی کا حصہ بنادیا تھا اور وہ سادہ طرز زندگی سے بہت دور ہوگئے تھے۔

ایرانی اور رومی تہذیب نے صرف معاشرت اور طرز زندگی ہی پر اثر نہ ڈالا بلکہ ٹیکسوں میں ناروا بوجھ نے عوام کی زندگی دوبھر کررکھی تھی اور حکومت دولت جمع کرنے کے نئے نئے ڈھنگ سوچتی تھی۔ دولت مند سرکش اور مفلس خود فراموش ہوچکے تھے۔ اخلاق عالیہ اور زندگی گزارنے کے بلند اصول یورپی تہذیب اور متمدن دنیا میں نا قابل عمل اور متروک ہوچکے تھے۔ دین اور آخرت کے بارے میں سوچنے کی کسی کو فرصت نہ تھی، ایک گہری تاریکی بھی جس کا نقشہ قرآن اس طرح سے کھینچتا ہے۔

﴿ظَهَرَ الْفَسَادُ فِي الْبَرِّ وَ الْبَحْرِ بِمَا كَسَبَتْ اَيْدِى النَّاسِ لِيُذِيْقَهُمْ بَعْضَ الَّذِىْ عَمِلُوْا لَعَلَّهُمْ يَرْجِعُوْنَ﴾. ۲۲

''خشکی اور تری میں لوگوں کے اعمال کے نتیجے میں خرابی پھیل گئی تاکہ اللہ تعالیٰ ان کے بعض اعمال کا مزا چکھادے اور وہ باز آجائیں۔''

ابوالحسن ندوی اس کے بعد بعثت محمدیؐ کا تذکرہ کرتے ہیں اور کہتے ہیں کہ دنیا ہلاکت کے گڑھے میں گرنے والی تھی کہ اللہ پاک نے وحی ورسالت کی روشنی میں انسانیت کو نئی روشنی بخشی جس کے ذریعے انسانیت نے نیا راستہ دیکھا اور نئی زندگی سے ہم کنار ہوئی۔

آپؐ نے انسانیت کو صرف ایک بندگی کی دعوت دی اور دنیا کی ساری بندگیوں اور غلامیوں سے نجات دی۔ زندگی کی حقیقی نعمتیں (جن سے انسانوں نے اپنے آپ کو محروم کردیا تھا) دوبارہ ان کو عطا کیں اور وہ طوق وسلاسل ان سے جدا ہوگئے جو انہوں نے بلاضرورت اپنے اوپر ڈال لیے تھے۔

﴿يَاْمُرُهُمْ بِالْمَعْرُوْفِ وَ يَنْهٰهُمْ عَنِ الْمُنْكَرِ وَ يُحِلُّ لَهُمُ الطَّيِّبٰتِ وَ يُحَرِّمُ عَلَيْهِمُ الْخَبٰٓئِثَ وَ يَضَعُ عَنْهُمْ اِصْرَهُمْ وَ الْاَغْلٰلَ الَّتِىْ كَانَتْ عَلَيْهِمْ﴾ ۲۳

''(محمد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم) ان کو نیکی کا حکم دیتے اور برائی سے روکتے۔ پسندیدہ چیزیں حلال کرتے ہیں گندی حرام ٹھہراتے ہیں۔ اس بوجھ سے نجات دلاتے ہیں جس کے تلے وہ دبے ہوئے، ان پھندوں سے نکالتے ہیں جو ان پر پڑے ہوئے تھے۔''

آپ کی بعثت نے انسانیت کو نئی زندگی، نئی روشنی، نئی طاقت، نئی حرارت، نیا ایمان، نیا یقین، نئی نسل، نیا تمدن، نیا معاشرہ عطا کیا۔ آپ کی آمد سے دنیا کی نئی تاریخ اور انسانیت کے کام کی عمر شروع ہوئی ہے۔ کہ خود فراموشی اور خودکشی میں جو زمانہ گزرا، وہ اعتبار کے قابل نہیں، اور بینا و نابینا اور زندہ و مردہ ایک پلڑے میں رکھے نہیں جاسکتے۔

۲۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص:۹۱، ۹۲

۲۲۔ الروم ۳۰:۴۱

۲۳۔ الاعراف ۷:۱۵۷

﴿وَمَا يَسْتَوِي الْاَعْمٰى وَالْبَصِيْرُ ۙ۝ وَلَا الظُّلُمٰتُ وَلَا النُّوْرُ ۙ۝ وَلَا الظِّلُّ وَلَا الْحَرُوْرُ﴾۔ ۲۴

''اندھا اور آنکھوں والا برابر نہیں اور نہ تاریکیاں اور روشنی یکساں ہیں۔ نہ ٹھنڈی چھاؤں اور دھوپ کی تپش ایک جیسی ہے۔ اور نہ زندے اور مردے مساوی ہیں۔''

جاہلیت اور اسلام کے درمیان جو فاصلہ تھا اس سے بڑا کوئی فاصلہ نہیں۔ لیکن یہ فاصلہ جس سرعت کے ساتھ طے ہوا دنیا میں اس کی نظیر نہیں۔ ۲۵

مسلم تہذیب کی ایک بڑی خوبی یہ ہے کہ اس کے مخاطب ایک ملک یا قوم کے باشندے نہیں ہوتے بلکہ اس کی دعوت، رحمت، برکت عالمگیر ہے۔ یہی وجہ ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم صرف ایک سیاسی قائد نہ تھے بلکہ آپ پیغمبر خدا تھے جو کل عالم کے لیے مبعوث کیے گئے تھے۔ یہ بات آج بھی سمجھنے کے لائق ہے کہ ایک سیاسی قائد / لیڈر محض ایک ملک یا قوم کی خیر خواہی کے لیے کھڑا ہوتا ہے اور تگ و دو کرتا ہے مگر جو اللہ کا نائب ہو اس کی کارگزاری اور محنت، خیر خواہی، اخلاص لگن کسی ایک گروہ کے لیے مخصوص نہیں ہوتی۔

ندوی صاحب اس ضمن میں لکھتے ہیں:

''اگر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم قومی راہنما یا محبّ وطن قائد ہوتے اور اپنا طریقہ سیاسی یا ملکی راہنماؤں جیسا ہوتا تو آپؐ کے سامنے بہتر صورت یہ تھی کہ آپؐ عرب کو ایک وطن قرار دے کر عربی قبائل کا ایک اتحاد عالم کرتے اور عرب کی مضبوط طاقتوں سے ایک مضبوط اور جنگجو بلاک بنالیتے اور ایک عربی ریاست یا جمہوریہ کی بنیاد رکھتے۔ جن کے آپ نہایت آسانی کے ساتھ صدر ہوسکتے تھے۔ ایسی صورت میں ابوجہل وغیرہ وغیرہ آپؐ کے ساتھ پورا اشتراک کرتے اور آپ کو عرب کی قیادت سونپ دیتے۔ کیونکہ ان کو آپؐ کی صداقت و امانت کا مشاہدہ تھا۔ انہوں نے آپؐ کو مکے کے سب سے بڑے اختلافی مسئلے کا حکم بنایا تھا۔ عتبہ نے قریش کے نمائندہ بن کر آپؐ کے سامنے عرب کی سرداری کی پیش کش کی تھی اور کہا تھا کہ اگر آپؐ قیادت چاہتے ہیں تو ہم کو ذرا اختلاف نہیں۔ آپؐ زندگی بھر ہمارے قائد رہیں گے۔ پھر اگر آپ کو یہ سیاسی مقام حاصل ہوجاتا تو آپؐ کے لیے ایران، روم پر فوج کشی آسان تھی۔ آپؐ عرب کے شاہسواروں کے ذریعے ایران و روم کی سلطنت پر حملہ کرسکتے تھے اور عجمیوں کو مغلوب کرکے روم و فارس پر عرب کی فتح کا پھریرا اڑا سکتے تھے۔ یہ کتنا دلکش خواب تھا۔ اور عربی جذبہ اخوت کی کیسی تسکین تھی۔''۲۶

خود عرب میں اتنے اجتماعی، معاشی مسائل موجود تھے۔ جو اعلیٰ سیاسی بصیرت، قومی تنظیم، انتظامی قابلیت، اعلیٰ عزیمت کے برسوں سے منتظر تھے۔ ایک بلند پایہ قوی الارادہ رہنما عرب کی مقامی اصلاح و تنظیم کرکے اس کو دنیا کی بہت بڑی طاقت اور ایک باعظمت ملک بنا سکتا تھا۔

۲۴۔ الفاطر ۳۵: ۱۹، ۲۱ ۲۵۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۰۱، ۱۰۲

۲۶۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۰۵

لیکن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس لیے مبعوث نہیں ہوئے تھے کہ ایک بگاڑ کو تبدیل کر کے دوسرا بگاڑ اس کی جگہ پر لائیں اور ایک ناانصافی کو مٹا کر دوسری نا انصافی پیدا کریں۔ ایک چیز کو ایک جگہ نا جائز قرار دیں اور دوسری جگہ اس کو جائز قرار دیں۔ ایک قوم کی خودغرضی کی مخالفت کریں اور دوسری قوم کی خودغرضی کی حوصلہ افزائی کریں۔ آپؐ ایک وطن پرست لیڈر اور ایک سیاسی قائد بن کر نہیں آئے تھے۔ کہ ایک قوم کو اجاڑ کر دوسری قوم آباد کرتے۔ دوسری قوم کے زر و جواہر سے اپنی قوم کا دامن بھرتے۔ اور لوگوں کو روم و فارس کی غلامی سے نکال کر آل عدنان اور اولاد قحطان کی غلامی میں داخل کرتے۔

آپؐ کا مقصدِ بعثت دنیا کو جنت کی بشارت اور عذاب آخرت کی وعید پہنچانا تھا۔ آپؐ داعی الی اللہ اور سراج منیر بن کر آئے تھے کہ ساری دنیا کو روشن کریں۔ آپؐ مبعوث فرمائے گئے تھے کہ دنیا کو بندوں کی بندگی سے نکال کر صرف خدا کی بندگی میں داخل کریں۔ تمام لوگوں کو مادی زندگی کی کال کوٹھڑی سے نکال کر دنیا و آخرت کی وسعتوں میں پہنچادیں۔ مذاہب و ادیان کی نا انصافیوں اور زیادتیوں سے نجات دے کر اسلام کے انصاف سے متمتع ہونے کا موقع دیں۔ آپؐ کا کام نیکی کی ترغیب دینا، بدی سے منع کرنا، صاف و پاک چیزوں کو حلال، گندی و ناپاک چیزوں کو حرام قرار دینا اور بندشوں اور بیڑیوں کو توڑنا تھا۔ جو انسانوں نے اپنی نادانی سے یا مذاہب اور حکومتوں نے اپنی زبردستی سے لوگوں کے پاؤں میں ڈال رکھی تھیں۔ اس لیے آپؐ کے مخاطب صرف ایک قوم یا ملک کے باشندے نہ تھے۔ آپؐ کا خطاب تمام انسانوں اور پورے انسانی ضمیر سے تھا۔[۲۷]

رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اللہ تعالیٰ کی رہنمائی میں انسانیت کے مسائل کی گرہ کشائی کی۔

''آپؐ نے طبیعت انسانی کی قفل میں ٹھیک چابی لگائی یہ وہ قفل تھا جس کے کھولنے میں اپنے وقت کے تمام مصلحین ناکام رہے تھے۔ آپؐ نے لوگوں کو سب سے پہلے اللہ تعالیٰ پر ایمان لانے کی دعوت دی اور معبودان باطل کے انکار کی تلقین فرمائی۔ اور (خدا کے سوا ہر ہستی جس کی عبادت و اطاعت مطلق کی جائے) کی نافرمانی کی ہدایت فرمائی۔

لوگوں میں کھڑے ہو کر آپؐ با آواز میں فرمایا ''یَاایُّھَاالنَّاس قُوْلُوْالَااِلٰہَ اِلَّااللّٰہ تُفْلِحُوا''

''لوگو کہو اللہ کے سوا کوئی عبادت کے لائق نہیں، کامیاب ہو گے''۔[۲۸]

اس گرہ کشائی کے بعد جو جماعت میسر تھی اس کی تیاری اور پھر ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔

''ادھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی رہنمائی میں صحابہ کرامؓ کی ایمانی تربیت و تکمیل کا سلسلہ جاری رہا۔ قرآن برابر ان کے قلوب کو طاقت اور گرمی بخشتا رہا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی مجالس سے ان کو استحکام، خواہشات نفس پر قابو، رضائے الٰہی کی سچی طلب اور اس کی راہ میں اپنے آپ کو مٹانے کی عادت، جنت سے عشق، علم کی حرص، دین کی سمجھ اور احتساب نفس کی دولت حاصل ہوئی۔ اور وہ لوگ چستی سستی میں رسولؐ کی اطاعت کرتے، جس حال میں ہوتے خدا کی راہ میں اٹھ کھڑے ہوتے۔ یہ لوگ رسولؐ کی معیت میں دس سال کے اندر ستائیس بار جہاد کے لیے نکلے اور آپؐ کے حکم سے سو مرتبہ سے زائد کمربستہ ہو کر میدان جنگ میں گئے۔ ان کے لیے دنیا سے بے تعلقی آسان بن گئی۔ اہل و عیال کے مصائب برداشت کرنے کے عادی بن گئے تھے۔ قرآن کی آیات وہ بے شمار احکام لائیں جو ان کے لیے پہلے مانوس نہ

۲۷۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۰۵، ۱۰۷ ۲۸۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۰۹

تھے۔ نفس و مال، اولاد اور خاندان کے بارے میں احکام نازل ہوئے، جن کی تعمیل کچھ ہنسی کھیل نہ تھی جب سلجھ گئی تو ساری گتھیاں ہاتھ لگاتے ہی سلجھ گئیں۔

رسول صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک بار ان کے ایمان کے لیے کوششیں فرمائی۔ پھر ہر امر و نہی اور نئے حکم کے لیے مستقل کوشش اور جدوجہد کی ضرورت نہ رہی۔ اسلام و جاہلیت کے پہلے معرکے میں اسلام نے جاہلیت پر فتح حاصل کر لی۔ پھر ہر موقع کے لیے ہر مرتبہ نئے معرکے کی ضرورت نہ رہی۔ وہ لوگ مع اپنے قلوب کے، مع اپنے ہاتھ پاؤں کے، مع اپنی روحوں کے اسلام کے دامن میں آ گئے۔ ان پر جب حق واضح ہوگیا تو رسولؐ سے کوئی کشائش باقی نہ رہی۔ آپؐ کے فیصلے پر ان کو کبھی ذہنی یا قلبی خلش کی گنجائش باقی نہ رہتی۔

> ''یہ وہ لوگ تھے جنہوں نے رسولؐ کے روبرو اپنے چھپے قصوروں کا اقرار کیا اور اگر کسی گناہ میں مبتلا ہوگئے تو اپنے جسموں کو حدود اور سزاؤں کے لیے پیش کر دیا۔ شراب کی حرمت کا نزول ہوا تھا چھلکتے جام ہتھیلیوں پر تھے۔ اللہ کے حکم ان کے بھڑکتے ہوئے جگر، آلودہ ہونٹوں اور شراب کے پیالوں کے درمیان حائل ہوگیا۔ پھر کیا تھا۔ ہاتھ کو ہمت نہ تھی کہ اوپر کو اٹھ سکے۔ لبوں کی عنائیں وہیں خشک ہوگئیں۔ شراب کے برتن توڑ دیے گئے اور شراب مدینے کی گلیوں اور نالیوں میں بہہ رہی تھی۔''[۲۹]

اس تربیت کے بعد جو ایمان ان کے دلوں میں راسخ ہوا، اس کی کیفیت کچھ اس طرح تھی۔

احتساب نفس اور ملامت ضمیر

یہ ایمان کا ایک کامیاب اخلاقی مدرسہ اور نفسیاتی تربیت تھی، جو طالب علم کو اعلیٰ درجہ کی قوت ارادی، محاسبہ نفس اور خود اپنے ساتھ انصاف کی قوت عطا کرتی۔ تاریخ میں کسی دوسری طاقت کا سراغ نہیں ملتا۔ جو نفس کے ترغیبات اور اخلاقی لغزشوں پر کامیابی کے ساتھ فتح حاصل کر لیتی۔

اگر کسی وقت صفت بہیمی زور کرتی اور انسان سے غلطی سرزد ہوجاتی اور یہ ایسا موقع ہوتا جب کوئی آنکھ دیکھنے والی نہ ہوتی اور وہ شخص قانون کی دسترس سے باہر ہوتا تو یہی ایمان نفس لوامہ بن جاتا۔ دل کی پھانس چین نہ لینے دیتی۔ پریشان کن خیالات کا سیلاب امڈنے لگتا۔ اس گناہ کی یاد میں چین حرام ہوجاتا، حتیٰ کہ وہ شخص خود قانون کے سامنے اقرار جرم کرتا اور سخت سے سخت سزا کے لیے اپنے آپ کو پیش کرتا۔ پھر اس سزا کو رضا و رغبت سے جھیلتا تاکہ اللہ کی ناراضگی سے بچ سکے اور آخرت کی سزا کی جگہ دنیا کی سزا لے لے۔

اس سے اندازہ کیا جاسکتا ہے کہ اس تہذیب کے اثرات کیا ہوں گے اور افراد معاشرہ کس امن وسکون سے زندگی گزار رہے ہوں گے۔[۳۰]

حیرت انگیز بات یہ ہے کہ اسلامی تہذیب کا مبارک درخت عرصہ ہائے دراز تک بلاتخصیص تمام عالم کو مستفید کرتا رہا بلکہ بعد کی یورپی تہذیب، خود ہندوستان کی تہذیب بھی اسلامی تہذیب کے اثرات لیے ہوئے تھی، ملاحظہ ہو!

> ''یورپ کی مذہبی تاریخ اور مسیحی کلیسا کی سرگزشت کا اگر گہری نظر سے مطالعہ کیا جائے تو اسلام کے ذہنی

۲۹۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۱۵، ۱۱۷ ۳۰۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۲۲، ۱۲۳

اثرات کے اور بہت سی مثالیں اور نظیریں ملیں گی''۔

خود لوتھر کی مشہور اصلاحی تحریک اپنے نقائص کے باوجود اسلام سے متاثر تھی۔ اور مورخین کو اس کا اعتراف ہے کہ اس کے بانی پر اسلامی تعلیمات کے اثرات پڑے تھے اور صرف مذہب ہی نہیں بلکہ یورپ کی پوری زندگی اور اس کا تمدن اسلام سے متاثر ہوا ہے۔ رابرٹ بریفات (Robert Brifiault) اپنی کتاب (The Making of Humanity) میں لکھتا ہے:

''یورپ کی ترقی کا کوئی شعبہ اور کوئی گوشہ ایسا نہیں جس میں اسلامی تمدن کا دخل نہ ہو اور اس کی ایسی نمایاں یادگاریں نہ ہوں جنہوں نے زندگی پر بڑا اثر ڈالا ہے۔''

''صرف طبعی علوم ہی (جن میں عربوں کا احسان مسلم ہے) یورپ میں زندگی پیدا کرنے کے ذمہ دار نہیں ہیں۔ بلکہ اسلامی تمدن کے یورپ کی زندگی پر بہت عظیم الشان اور مختلف النوع اثرات ڈالے ہیں اور اس کی ابتدا اسی وقت ہوجاتی ہے جب اسلامی تہذیب و تمدن کی پہلی کرنیں یورپ پر پڑنا شروع ہوئی ہیں۔''

اس طرح ہندوستان کی قوموں کے اخلاق و معاشرت اور قانون سازی میں اسلامی ذہنیت اور اسلامی شریعت کے اثرات نظر آئیں گے۔ عورت کا احترام اور اس کے حقوق کا اعتراف مختلف انسانی گروہوں کے درمیان مساوات کا اصول اسلامی فتوحات اور مسلمانوں کے اختلاط کے بعد سے روز بروز زیادہ تسلیم کیا جانے لگا۔ غرض تمدن اور آباد دنیا کا کوئی مذہب، کوئی تمدن بعثت نبویؐ اور ظہور اسلام کے بعد یہ دعویٰ نہیں کرسکتا کہ وہ اسلام اور مسلمانوں سے قطعاً متاثر نہیں ہوا۔[۳۱]

مغربی تہذیب کا تجزیہ کرنے کے بعد ندوی صاحب امت مسلمہ کو اسلام کے احیا کے لیے اٹھنے کا درس دیتے ہیں اور آخر میں عالم عربی کو کہتے ہیں کہ اس کے اٹھنے سے ہی یورپی تہذیب دم توڑ سکتی ہے۔

لکھتے ہیں!

''عالم عربی اپنی خصوصیات، محل وقوع اور اپنی سیاسی اہمیت کی بنا پر اسلام کی دعوت کی ذمہ داری اٹھانے کا حق دار ہے۔ وہ یہ کرسکتا ہے کہ عالم اسلامی کی سعادت کا بیڑہ اٹھائے اور مکمل تیاری کے بعد یورپ سے آنکھیں ملا سکے، اور اپنے ایمان، دعوت کی طاقت اور خدا کی نصرت سے اس پر غالب آجائے اور دنیا کو شر سے خیر کی طرف تباہی، بربادی سے امن و سلامتی کی طرف لے آئے یا جس طرح مسلمانوں کے قاصد نے یزدگرد کی مجلس میں کہا تھا۔.....اسلام انسانوں کو انسانوں کی غلامی سے نکال کر خدائے واحد کی پرستش میں دینے، دنیا کی تنگی سے دین کی کشادگی میں اور مذاہب کی ناانصافی سے نکال کر اسلام کے نظامِ عدل میں داخل کرنے آیا ہے''۔[۳۲]

''تاریخ شاہد ہے کہ جب کسی قوم میں مردانگی اور غیرتِ انسانی کو زوال آیا۔ عورتوں نے اپنی نسائیت اور فطرت

۳۱۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۱۸۴، ۱۸۵

۳۲۔ انسانی دنیا پر مسلمانوں کے عروج وزوال کا اثر، ص: ۴۴۸، ۴۴۹

مادری کے خلاف بغاوت کی اور آزادی و بے حجابی کی راہ اختیار کی، ہر چیز میں مردوں کی مسابقت کی کوشش کی، خانگی زندگی سے نفرت وغفلت بڑھی اور ضبط تولید کی رغبت پیدا ہوئی۔ اس کا ستارہ اقبال غروب ہوا اور رفتہ رفتہ اس کے نشانات بھی مٹ گئے۔ یونانی، رومی اور ایرانی اقوام کا یہی انجام ہوا، اور یورپ بھی اسی راہ پر گامزن ہے جو اس انجام تک لے جاتی ہے۔ عالم عربی کو ڈرنا چاہیے، کہیں اس کا انجام بھی ایسا نہ ہو۔''

مولانا ندویؒ نے نصف صدی قبل ہمیں آگاہ کردیا تھا کہ اگر ہم اپنے خاندانی نظام اور فطرت انسانی کے تقاضوں سے غفلت برتیں گے تو ہم بھی زوال کا شکار ہوجائیں گے اور آج تلخ حقائق اس آگاہی کی گواہی دے رہے ہیں۔